(قسط نمبر ۲)

فلسفہ، علم اور قرآن

پر ایمان کی کہانی

الشیخ ندیم الجسر۔ مفتی طرابلس و شمالی لبنان

"مؤمنین کا جھگڑا"

حیران بن اضعف کہتا ہے: میں نے حیّ بن یقظان کا جو قصہ کل سُنا تھا، اس کی وجہ سے میں نے تمام دن ایسے گزار دیا جیسے کوئی نشہ میں ہو۔ تمام دن میں اسے بار بار پڑھتا رہا یہاں تک کہ رات آگئی اور قِدم اور حدوث کے بارے میں جن جن باتوں کا ابنِ طفیل نے انکشاف کیا تھا اسے سوچتا رہا۔ بالخصوص اس کے اس قول میں کہ عقل کا ان میں اُلجھ جانا اور ان کے تصور سے عاجز آجانا اللہ پر ایمان رکھنے میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ جب عقل یہ مان لے کہ جہاں حادث ہے تو وہ اس اللہ کے وجود کو بھی مان لیتی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ خواہ حدوث کے تصور سے عاجز آکر قِدَم کا گمان کرنے لگ جائے کیوں کہ اس صورت میں بھی آخر کار اس خدا کے وجود پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے جس نے مادہ کو دائمی حرکت دی ہے۔ جب میں شیخ کے پاس عشا کی نماز کے بعد گیا تو اس نے میرے چہرے پر بشاشت کے آثار پائے اور اُنہوں نے مسکرا کر کہا:

شیخ:۔ اے حیران! اب صبح کی ابتدا ظاہر ہونے کو آئی ہے۔

حیران:۔ مولانا یہ کون سی فجر ہے؟

شیخ:۔ اس بات پر تمہارے ایمان لانے کی صبح کہ عقولِ سلیمہ والوں کے نزدیک فلسفہ اور دین کے درمیان کوئی تناقض نہیں پایا جاتا (اگر ایسی بات نہیں تو) میں تمہیں خوش کیوں دیکھ رہا ہوں؟

حیران:۔ مولانا۔ یہ سچ ہے۔

شیخ:۔ آج میں تمہیں تمہارے غزالی کا قصہ سناؤں گا جس کی باتیں سننے کے لیے تم اتنی جلدی کر

رہے تھے۔

حیران :- غزالی کے متعلق آپ سے باتیں سننے کا میں بہت مشتاق ہوں۔

شیخ :- غزالی اپنی جوانی میں اپنے شک اور حیرت کی وجہ سے نیز فلسفہ کا مشتاق ہونے اور حق کو جاننے کی خواہش کی وجہ سے بالکل تمہاری اور تمہارے جیسے نوجوانوں کی طرح تھا۔ جب تو اُس کے حالات کو جان لے گا اور یہ دیکھ لے گا کہ یہ شک جس میں تو گرفتار ہے بعض اوقات بڑی وزنی عقلوں اور بہت سچے ایمان والے دلوں کو بھی لاحق ہو جاتا ہے تو شاید تمہارے دل کو اطمینان آ جائے میرے نزدیک تو تمہارے شوق کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ تمہارے نزدیک اس شوق کی کیا وجہ ہے ؟

حیران :- میں نے سُنا تھا کہ غزالی کی شہرت دو دانگِ عالم میں چھائی ہوئی ہے یہاں تک کہ اُسے حجۃ الاسلام کا نام دیا جاتا ہے مگر پھر دیکھا کہ بعض علماء دین کو اس کا طریقہ پسند نہیں۔

شیخ :- یہ قدامت پسند علماء ہیں جو اللہ کے وجود پر فلسفی استدلال پیش کرنے اور اس کی صفات پر بحث کرنے میں اس قدر تعمق کو بُرا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا فلاسفہ کے ساتھ مل کر فلسفہ میں اس قدر گھسنا خواہ وہ ان کی تردید کرنے کی غرض سے کیوں نہ ہو انہیں نہیں بھاتا۔ خواہ غزالی کی طرف سے ہو خواہ علماء کلام کی طرف سے۔ چناں چہ جب وہ کسی عالم دین کو دیکھتے ہیں کہ وہ فلسفہ میں اس قدر گھسا ہے کہ وہ خاص طور پر فلاسفہ کی آراء، ان کے دلائل، ان کے شبہات اور اشکالات کو اس شرح و بسط سے بیان کرتا ہے گویا کہ وہ ان میں سے ایک ہے تو اور بھی بُرا مناتے ہیں۔

حیران :- کیا آپ کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ قدامت پسند لوگ فلاسفہ کے ساتھ ان بحثوں میں پڑنے کو بُرا منانے میں، خواہ وہ ان کے شبہات کی تردید کے لئے ہی کیوں نہ ہو حق پر تھے ؟

شیخ :- جب تک یہ مصیبت عام نہیں ہوئی تھی اُس وقت تک تو یہ حق پر تھے، چناں چہ اسلام کے ابتدائی دَور میں مسلمانوں کو وجودِ خدا اور اس کی صفات کے بارے میں اس فلسفی جھگڑے کا علم نہ تھا لیکن یونانی فلسفہ کے ترجمہ ہو جانے اور بہت سے مسلمان علماء کا اس میں بحث کرنے اور تالیف کرنے اور لوگوں میں فلسفیوں کے شبہات کے پھیل جانے، اس آفت کے عام ہونے نیز بہت سے علماء کا ان کے شبہات کے رد کرنے کی طرف توجہ دینے کے بعد تو فلسفہ کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہو گیا

بلکہ فلسفہ کا علم رکھنا خاص طور پر علماء دین پر واجب ہوگیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو اچھی طرح ایمان کی طرف دعوت دے سکیں۔

حیران:۔ لیکن آپ تو فرماتے ہیں کہ غزالی نے ایک خاص کتاب لکھی جس میں فلاسفہ کی آراء کو بسط سے ایسا بیان کیا ہے جیسے کہ وہ ان میں سے ایک ہے۔ بدون اس کے کہ وہ ان کی تردید کریں۔

شیخ:۔ غزالی کہتا ہے اور کیا ہی سچی بات کہتا ہے:

"کسی مذہب کی اس کے سمجھنے اور اس کی حقیقت سے واقف ہونے سے پہلے تردید کرنا اندھی تردید ہے"

اسی لئے اس نے ان کی تردید کرنے سے پہلے الٰہی فلسفیوں کی رائے پر پورے طور پر مطلع ہونا چاہا۔ لہٰذا اس نے اپنی کتاب جس کا نام "مقاصد الفلاسفہ" ہے لکھی، جس میں اس نے فلاسفہ کی آراء، شبہات اور اشکالات کا بسط سے ذکر کیا ہے جیسے کہ وہ ان ہی میں سے ایک ہے، اس آدمی کی طرح جو حق کی چٹان پر راسخ اور مضبوط گڑا ہوا ہو نہ کہ اس کمزور اور مضطرب آدمی کی طرح جو خوف کے مارے مخالف کے بعض دلائل کا ذکر نہیں کرتا یا اگر ذکر کرتا ہے تو مشکل سے اور مبہم طور پر۔ اس سے غزالی کی مراد یہ تھی کہ انہیں اس بات کا ثبوت دے دے کہ اسے ان کے اقوال پر کامل اطلاع ہے اور ان کے شبہات کو خوب سمجھتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی مشہور کتاب "تہافت الفلاسفہ" لکھی جس کے ذریعہ سے اس نے انہی فلاسفہ کے ان اقوال کو جو عقل اور دین کے خلاف ہیں، باطل کرنا چاہا۔ وہ فلاسفہ جو اللہ کے وجود کے تو قائل ہیں مگر اللہ کے ساتھ جہاں کے قدیم ہونے کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ان فلاسفہ کی تردید نہیں کی جو مادہ پرست اور صانع (پیدا کرنے والے) کے منکر ہیں جن کے مذہب کے متعلق غزالی کہتا ہے:

اس مادی مذہب کے معتقد صرف وہ چند لوگ ہیں جن کی عقلیں اوندھی اور رائے اُلٹی ہے۔ جنہیں غور و فکر کرنے والوں میں کسی اعتبار میں نہیں لایا جاتا۔

حیران:۔ مولانا! یہ کیسے۔ حالانکہ میری رائے میں مادہ پرستوں کا مذہب ایمان کے لئے زیادہ خطرناک ہے۔

شیخ: تمہاری رائے میں اس زمانہ کے اندر یہ زیادہ خطرناک ہے لیکن غزالی کے زمانہ میں اللہ کے وجود پر ایمان اتنا قوی تھا کہ اس میں شک ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ تو وہ شبہات ہیں جو فلاسفۂ الٰہیین کی کتابوں کے ترجمہ کے بعد لوگوں میں پیدا ہوئے۔ بالخصوص ارسطو اور افلاطونیہ جدیدہ کی وہ کتابیں جو کیفیتِ تخلیق اس کے زمانہ اور جہاں کے قدیم ہونے وغیرہ کے بارے میں لکھی گئیں۔ لہٰذا غزالی جو ایک متدین آدمی تھا نے چاہا کہ اس آفت کے علاج کی طرف اور ان شبہوں کی تردید کی طرف توجہ دے۔

میران: جناب نے ارسطو کا ذکر کرتے ہوئے بعض ان دلائل کا ذکر کیا تھا جو غزالی نے تخلیقِ عالم کے مسئلہ میں پیش کئے ہیں۔ میں اب امید کرتا ہوں کہ جو کچھ ان کی کتاب 'تہافت الفلاسفہ' میں آیا ہے اس کی وضاحت سنوں۔

شیخ: میں تہافت الفلاسفہ میں سے حدوث عالم اور اس کے اللہ کا پیدا کیا ہوا ہونے کے متعلق جو بیان ہے' اس کا بسط سے ذکر کروں گا۔ نیز جو فلاسفہ کا رد اُنہوں نے اور بابوں کے علاوہ اس باب میں کیا ہے' اس کا بھی ذکر کروں گا۔ دوسرے بابوں میں جو جوابات انہوں نے دیئے' اس میں ان کا ذکر نہ کروں گا۔ کیوں کہ وہ سب اس اہم اور عظیم بحث کے اندر آجاتے ہیں۔ لہٰذا جب اللہ کے وجود پر اور اس کا اس جہان کا خالق ہونے پر ایمان مکمل ہو جائے تو دیگر اُمور میں بحث آسان ہو جاتی ہے۔ لیکن میں پہلے تجھے معرفت کے متعلق اس کی جو رائے ہے' وہ بتاتا ہوں تاکہ تو دیکھ لے کہ وہ اپنے حواس اور عقل پر کس قدر شک کرتا تھا۔ اور اس نے دیکارت کی طرح جو اُس سے چھ صدیوں کے بعد آیا عقلیہ اولیہ بدیہیہ دلائل کے ساتھ کس طرح اس شک کا علاج کیا۔

غزالی اپنے شک کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے: حقائق کو معلوم کرنے کی پیاس اس کی عادت اور خصلت بن چکی تھی۔ اور اس نے اس فطری حقیقت کو معلوم کرنا چاہا جس پر پیش آنے والے اعتقادات سے پہلے انسان ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے اس یقینی علم تک پہنچ جائے جس تک شک راہ نہیں پا سکتا اور نہ اس میں شک کرنے کے لئے دل میں جگہ ہوتی ہے اور جب اُنہوں نے علوم کو آزمایا تو ان میں سوائے حسیات اور عقلیات کے کوئی ایسا علم نہ پایا جو یقین کے مرتبہ تک پہنچ سکے۔ لیکن اس نے محسوسات میں غور کیا تو اس میں اسے کوئی امان نہ ملی کیوں کہ آنکھ کبھی

دھوکا دیتی ہے تو سایہ کو ساکن دیکھتی ہے حالاں کہ وہ متحرک ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ آنکھ ستارے کو چھوٹا دیکھتی ہے حالاں کہ وہ زمین سے بڑا ہے۔ اور اس نے دیکھا کہ جس چیز نے حس کو جھٹلایا ہے اور اس کے دھوکے سے اسے متعارف کرایا ہے وہ عقل ہے۔ اور جب محسوسات سے اس کا اعتماد اُٹھ گیا تو اس کے پاس صرف عقلیات رہ گئیں، چناں چہ اس نے اس میں بھی اپنے نفس کو شک میں ڈالنا چاہا تو اس نے دیکھا کہ اس کا محسوسات پر اس وقت تک اعتماد تھا جب تک عقل نے اس کی تکذیب نہیں کی تھی۔ اور اگر عقل نہ ہوتی تو یہ اسی طرح اس کی تصدیق کرتا رہتا۔ شاید عقل کے بعد بھی کوئی اور حاکم ہو جو جب ظاہر ہوگا تو عقل کو اس کے فیصلوں میں جھٹلائے گا۔ جس طرح عقل نے ظاہر ہو کر حس کے فیصلوں کی تکذیب کی ہے۔ اس کا جواب دینے سے عقل رک گئی اور شک اور اشکال کی تائید اس بات سے ہوئی کہ سویا ہوا انسان بہت سی چیزیں دیکھتا ہے اور انہیں سچ سمجھتا ہے پھر بیدار ہونے پر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو خواب تھا اس کا یہ شک دو ماہ تک رہا اور اس عرصہ میں جیسا کہ وہ خود بیان کرتا ہے[1] اپنے حال کے اعتبار سے مذہب سفسطہ پر تھا گفتار اور قول کے اعتبار سے نہیں۔

اس کے بعد وہ بدستور غور کرتا رہا یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ اس کا علاج دلیل کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس نے وہی بات سمجھی جسے عمانوئیل کانٹ نے چھ سو سال بعد سمجھا تھا۔ یعنی یہ کہ افکار فطریہ کا وجود ہے اور یہ افکار فطریہ وہ اولیات ضروریہ بدیہیہ ہیں کہ صحیح دلائل ان کے سوا کسی اور چیز پر قائم نہیں کئے جا سکتے اور عقل بھی ان کے بغیر یقین تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس نے جس طرح فارابی نے اس سے پہلے دیکھا تھا دیکھا کہ یہ اولیات واضح مفہوم ہیں جو ذہن کے اندر گڑے ہوئے ہیں اور ان سے بڑھ کر کوئی اور چیز واضح نہیں اور ان پر دلیل بھی قائم نہیں کی جا سکتی کیوں کہ بذاتِ خود واضح ہیں اور انتہائی درجے یقینی ہیں اور خواہ کسی قسم کا مسئلہ ہو ان کے بغیر دلیل قائم نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہ بنیادیں ہیں اور ایسے بدیہی اصول ہیں کہ کسی عقل مند کو ان میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔

اس کے بعد اُس نے جو کچھ فلاسفہ نے ادراک حسی اور ادراک عقلی کے متعلق کہا ہے اس پر غور کیا تو اس نے دیکھا کہ حواس مدرکاتِ حسیہ کو اکٹھے کر کے لاتے ہیں اور پھر عقل سے کر انہیں الگ

کرتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملاتی ہے لیکن اس نے معلوم کیا جس طرح اس سے پہلے ابن سینا نے معلوم کیا تھا کہ یہ عقل ایسی چیز کے ثبوت کا حکم کرتی ہے جس کی طرف نہ اشارہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کی کوئی وضع ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا ماخذ حس ہوتی ہے۔ یہ بذاتِ خود عقل میں آتی ہے۔ اس کا ادراک مادہ سے نہیں کیا جاتا۔ مطلب یہ کہ اس نے اسی طرح سمجھا جس طرح اس کے بعد عمانوئیل کانط نے سمجھا تھا کہ عقل میں ایک خاص فطرت پائی جاتی ہے جس کی قوت کے ذریعہ سے یہ نئے نئے ایسے احکام جاری کر سکتی ہے جن کا ماخذ نہ حس ہوتا ہے اور نہ ان کا ادراک مادہ سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوٹ کر عقل اور اس کے احکام پر یقین کرنے لگا جس طرح دیکارت بعینہٖ اسی طریقہ سے اور انہی اقوال کے ذریعہ سے لوٹا تھا۔

اگرچہ غزالی اس ادراک میں کہ ان اولیات بدیہیہ کا ماخذ حس نہیں ہے سبقت لے جانے والا نہیں لیکن وہ اپنے پیش رووں اور پیچھے آنے والوں سے اس وقت سبقت لے جاتا ہے جب وہ زمان و مکاں کے مفہوم کی بحث کرتا ہوا ارسطو کا ذکر کرتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ عقل جب ایسے زمانہ کا تصور کرتی ہے جس سے پہلے کوئی زمانہ نہ تھا اور اس مکاں کا تصور کرتی ہے جس کے بعد کوئی مکان نہیں تو اُلجھ کر رہ جاتی ہے۔

اے حیران تو عنقریب دیکھے گا کہ عمانوئیل کانط جو غزالی کے کئی صدی بعد آیا زمان و مکاں اور ان دونوں میں عقل کے اُلجھاؤ کے مسئلہ میں اس نے غزالی کے تمام اقوال کو لیا ہے۔

حیران:۔ مجھے غزالی کے اس سبقت لے جانے پر کس قدر فخر ہے اور میں اس سلسلہ میں اس کا کلام سننے کا کس قدر مشتاق ہوں۔ (مسلسل)

طابع۔ ظہیر الدین　　مطبع۔ استقلال پریس۔ لاہور
ناشر۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد (پاکستان)